آرتھوڈکس، کیتھولک، اسلام اور یہودیت کی روحانی، ثقافتی و تہذیبی انفرادیت کے دھارے بوسنیا میں اس طرح ایک دوسرے میں گندھے ہوئے ہیں کہ یہ تضادات ہم آہنگ ہو گئے ہیں۔

یہ واحد قدیم یورپی ملک ہے جو انسانی، مذہبی اور قومی برابری کی سطح پر عالمگیریت کا مظہر ہے۔ بوسنیا کی مثال یورپ کے قومیت پر مبنی تصور عالم سے براہ راست متصادم ہے۔ چنانچہ ''قومی ریاست'' کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ یورپ انسانی خون میں تر ہو چکا ہے۔ مصنف کے خیال میں بلقان میں قومی خود مختاری کے ذریعے کے طور پر ''قومی ریاست'' کے تصور کو صرف نسل کشی کے ذریعے ہی نافذ کیا جاسکتا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں بوسنیا پر جارحیت، نسل کشی، سرب اور کروٹ تحریک اس کے ثبوت ہیں۔ ۱۹۹۲ء-۱۹۹۵ء کا بوسنیائی المیہ صرف بوسنیائی، بلقانی یا یورپی نہیں بلکہ عالمی ہے۔ تمام ایسی ریاستوں میں جہاں کئی قومیں آباد ہیں قومیت پرستی کا یہ خطرہ موجود ہے۔

بوسنیائی معاشرے کی یکجائی اور تکثیریت کی خصوصیت کو باہر سے نقصان پہنچایا گیا۔ سربیا اور کروشیا نے عظیم تر سربیا اور عظیم تر کروشیا کے قومی منصوبوں کے تحت صدیوں سے بوسنیا میں موجود سربوں اور کروٹوں کے قومی جذبات کو ابھارا اور نشانہ ستم وہ بوسنیائی اور مسلمان بنے جنہوں نے اپنی قومی سلامتی کو بوسنیا کی سالمیت سے متعلق کیا۔

مصنف بوسنیا کی تقسیم کو رد کرتے ہوئے بوسنیا کے لوگوں کو اپنی اصل کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ انہیں قومیت پرستی کے پنجے میں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور نہ ہی نتیجتاً اپنے لوگوں کو بوسنیا کے ایک حصہ میں مسلم ریاست کے قیام کے نام پر مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔

عنوان تبصرہ : اسلام پسندی کا چیلنج

تبصرہ نگار : امیر علی (مردوک یونیورسٹی، مغربی آسٹریلیا)

کتاب : **The Islamist Challenge in Algeria**

by MICHAEL WILLIS

Amherst: Ithaca Press, 1997, PP.419

موجودہ دور کا اسلام پسندی کا چیلنج نو آبادیاتی دور کے بعد مسلم ریاستوں میں سیاسی اور معاشی ناکامی اور ابتری کی پیداوار ہے۔ مسلم ممالک میں ''سٹیٹس کو'' کے مخالفین کے لیے اسلامی ماڈل میں بڑی کشش ہے۔

اسلام پسندی پر اکثر مطبوعات یا تو حد سے زیادہ معذرت خواہانہ اور جذباتی ہیں یا مذمتی اور محدود۔ البتہ یہ کتاب ایک استثنا ہے۔ غالباً پی ایچ ڈی کا مقالہ ہونے کی بنا پر بھی اس میں تحقیقی تقاضے پورے کیے گئے ہیں۔

۱۹۶۲ء میں فرانس سے الجزائر کی آزادی کے بعد نئی قوم کو مستقبل کی تعمیر کے لیے معاشی، سیاسی، عسکری، معاشرتی، انتظامی غرض ہر طرح کی بدحالی ورثہ میں ملی۔ الجزائریوں کے طاقتور قومی جذبے نے حکمرانوں کو ایک مثالی تجربہ کرنے کی قوت فراہم کی۔ اس وقت تیسری دنیا کی اکثر نو آزاد ریاستوں کے سامنے دو ہی نمونے تھے: مغربی جمہوری سرمایہ دارانہ ماڈل یا مشرقی آمرانہ اشتراکی ماڈل۔ تقریباً ۳۰ سال تک دونوں نمونوں کے مکسچر کے تجربے ہوتے رہے۔ نتیجہ مسلسل بڑھتا ہوا قومی قرض، مہنگائی اور بے روزگاری کی صورت میں نکلا۔ اور اس پر مستزاد بدعنوانی اور حکمرانوں کی دوسرے سیاسی گروہوں کے ساتھ شراکت اقتدار سے ہچکاہٹ۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء میں برسراقتدار آنے والا نیشنل لبریشن فرنٹ اسّی (۸۰) کی دہائی کے وسط میں اپنا اعتماد کھو بیٹھا۔ اور الجزائر کی اسلامی تحریک سامنے آئی۔

اسلامی ریاست، معیشت اور معاشرے کے قیام کی اسلامی دعوت کی سیاسی کشش کم از کم مسلمانوں میں اظہر من الشمس ہے۔ اصل مسئلہ دو بنیادوں پر ہے اول ایسی کسی ریاست، معیشت اور معاشرے کی تفصیلات اور دوم ان اہداف کے حصول کا طریقہ کار۔ کیونکہ یہاں شریعت کی کوئی متفقہ شکل موجود نہیں ہے۔ اور ہر سیاسی جماعت (بشمول غیر اسلام پسند) کی اپنی اپنی تعبیرات ہیں۔ عملی طور پر آج کی ہر مسلم حکومت اپنی پالیسیوں اور قوانین کو عین اسلام کے مطابق قرار دیتی ہے۔ زیادہ متنازعہ مسائل اسلامی ریاست میں عورتوں کی حیثیت، اقلیتیں، بلاسود معاشی نظام اور تعزیری قوانین اور سزائیں ہیں۔

تمام سنی ممالک سوائے سوڈان کے اسلام پسندوں کے مخالف ہیں۔ اسی بنا پر ان ممالک کے لیے خفیہ بین الاقوامی امداد اور اجارہ داری نے اسلام پسند گروہوں کے لیے سیاسی اقتدار کا حصول بے حد دشوار بنا دیا ہے۔ واحد راستہ یہ ہے کہ عوام اسلام پسندوں کی پکار پر سڑکوں پر آجائیں۔ الجزائر کے اسلام پسند عوام کو ایک حد تک ہی سڑکوں پر لا سکے۔ جب خود اسلام پسند گروہوں کے درمیان اور ریاستی فوجوں کے ساتھ جنگ چھوٹی تو بہت سے بدقسمت معصوم لوگ بھی اس کا نشانہ بن گئے اور عوام نے امن میں ہی عافیت جانی۔ اس طرح اسٹبلشمنٹ کو ایک بار پھر برتری حاصل ہوگئی۔ درحقیقت اکثر مسلم ممالک میں ایسا ہی ہے۔ جب تک ان ممالک کے حکمران ان وجوہات (سیاسی ابتری و معاشی بدحالی) کو دور نہیں کرتے، اسلام پسندی پھلتی

پھولتی اور مسلسل خطرہ بنتی رہے گی۔ اس کتاب کا یہی واضح پیغام ہے۔

Book Reviews, *Journal of Muslim Minority Affairs*, Vol 18, No.1, 1998, PP. 186-192

(تلخیص: سید راشد بخاری)